43

عدل پر کاربند رہو

فرمودہ ۱۹؍ جنوری ۱۹۱۷ء

تشہّد وتعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرمانے کے بعد حضور نے یہ آیت پڑھی:۔

ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان و ایتائ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی ۚ یعظکم لعلّکم تذ کرون۔ [1]

اور فرمایا:۔

عدل یعنی برابری۔ کسی کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بعض قسم کا ناجائز ہوتا ہے مثلاً اللہ سے کسی چیز کو برابر کرنا۔ کوئی کہے کہ مَیں عدل کرتا ہوں کہ اللہ کے برابر کسی کو جانتا ہوں۔ تو یہ عدل نہیں بلکہ شرک ہوگا اور بُری بات ہوگی۔ کیونکہ ایک بادشاہ سے غلام کو برابر کرنا انصاف اور عدل نہیں بلکہ ناانصافی اور ظلم ہوگا۔ ہاں عدل یہ ہوتا ہے کہ جتنا کسی کا حق ہو اتنا اس کو دے دیا جائے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کرنا اور جتنا حق ہو اتنا نہ دینا اور جس کا حق نہ ہو اس کو دینا۔ یہ عدل کے خلاف ہوجاتا ہے۔

پھر حق کئی اقسام کے ہوتے ہیں مثلاً کئی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ایک شخص کسی سے کچھ لیتا ہے اور اتنا ہی اس کو دیتا ہے۔ کچھ حقوق خدا کی طرف سے ہوتے ہیں تو جو شخص ان حقوق کو پُورا نہیں کرتا وہ غلطی کرتا ہے۔ اور کچھ حقوق تمدن کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تمدن چاہتا ہے کہ خاص لوگوں سے مروت اور احسان کیا جائے۔ اگر کوئی ان حقوق کو پورے طور پر ادا نہ کرے تو وہ ظالم ہوگا کچھ حقوق انسان اپنے نفس پر مقرر کرلیتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ فلاں شخص سے یہ سلوک کروں لیکن اگر اس سے وہ سلوک نہیں کرتا تو عدل کے خلاف کرتا ہے۔

غرض یہ مختلف حقوق خواہ وہ خدا کی طرف سے ہوں خواہ حکام کی طرف سے خواہ قرض کے طور پر ہوں خواہ تمدن کے رنگ میں خواہ اس کے اپنے نفس کے متعلق ہوں اور خواہ اور کسی قسم کے ان کو پورے

---

[1]:۔ النحل:۹۱۔

طور پر ادا کرنا انسان کو نیکی کی ایک ادنیٰ قسم کا وارث بناتا ہے۔ اور ان حقوق کے ادا کرنے سے جو پیچھے ہٹتا ہے وہ نیکی کی طرف نہیں بلکہ بدی کے میدان میں آتا ہے۔ اور اسکا قدم بدی کی طرف بڑھتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے رسُول یا حکامِ وقت کے حقوق ادا نہیں کرتا یا ان میں کوتاہی کرتا ہے یا جو حقوق قرضہ کے طور پر اس پر عائد ہوتے ہیں ان میں کوتاہی کرتا ہے یا جو تمدن کے حقوق میں کمی کرتا ہے یا اگر اپنے نفس کے لئے مقرر کئے ہُوئے حقوق کو ادا نہیں کرتا وہ عدل سے نکل کر ظلم میں آتا ہے۔ اور برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی نسبت فرماتا ہے۔ اے مومنو عدل سے کام لو۔ یعنی جو خُدا کے حقوق ہیں ان کو ادا کرو جو اس کے رسُول کے حقوق ہیں ان کو ادا کرو۔ اور وہ حقوق جو حکومت کے ہیں ان کو بھی ادا کرو۔ اگر لوگوں کے کچھ حقوق قرض کے طور پر آتے ہیں تو ان کو ادا کرو۔ جو حقوق تمدن نے تم پر قائم کئے ہیں ان کو ادا کرو۔ یا وہ جو تم پر تمہارے نفس نے فرض کئے ہیں۔ ان کو بھی ادا کرو۔ اگر تم ان حقوق کو ادا کرو گے تو یہ نیکی کی ادنیٰ قسم ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص عدل سے کام لے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اور گو اس کو مدارج عالیہ حاصل نہ ہوں مگر وہ گنہگار نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے فرائض اور سنن کو ادا کرتا ہے اور نفل نہیں پڑھتا یا کوئی زکوٰۃ جو خدا نے اور اس کے رسول نے مقرر کی ہے ادا کرتا ہے اور مسکینوں اور یتیموں کو زکوٰۃ کے ماسوا امداد کے طور پر کچھ نہیں دیتا تو وہ قابل الزام نہیں اسی طرح حکومت کی طرف سے جو باتیں مقرر ہیں ان کو پورے طور پر جس طرح سمجھتا ہے ادا کرے تو وہ زیر مؤاخذہ نہیں آسکتا۔ یا کسی کا قرض دینا ہو اور اس کو دے دیا جائے تو کوئی الزام نہیں آتا۔ یا تمدن نے جو حقوق قرار دیئے ہیں ان کو ادا کرے تو کوئی اس پر حرف نہیں رکھے گا۔ یا خود اپنے نفس کے حقوق مقرر شدہ اور ثابت شدہ ہیں ان کو ادا کرے تو زیادہ کے نہ دینے پر کچھ الزام نہیں۔

پس ان حقوق کے ادا کرنے سے وہ صرف اپنے نفس کو پاک کرتا ہے اور پاکیزگی یہی ہے کہ اس پر کوئی الزام نہ ہو۔ پس عدل کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ لیکن اس عدل سے بڑھ کر یہ ہے کہ یہی نہ ہو کہ کسی انسان پر کوئی الزام عائد نہ ہو بلکہ اس کی تعریف بھی ہو۔

اس زمانہ میں بڑی نیکی یہ سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص بُرا کام نہیں کرتا یعنی کسی سے کسی بُری بات کی نفی کرنا اس زمانہ میں بڑی خوبی اور نیکی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں ظالم نہیں وہ بڑا اچھا آدمی ہے حالانکہ ظلم نہ کرنا بڑی نیکی نہیں بلکہ نیکی کا ادنیٰ مقام ہے کیونکہ کسی کا حق ادا کر دینا کونسی بڑی نیکی کرنا ہے۔

بعض جگہ تو عدل کا ذکر کرنا شرم کی بات ہوتی ہے۔ حضرت صاحبؑ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ کسی شخص کے کوئی مہمان آیا میزبان نے اس کو بہت کچھ تواضع و تکریم کی اور کھانا وغیرہ اچھی طرح کھلایا بالآخر دنیا کے طریق کے بموجب اور اکرام ضیف کے رنگ میں اس مہمان سے کہا کہ مَیں نہایت شرمندہ ہوں کہ

جناب کی کچھ خدمت نہیں کر سکا۔ مہمان نے جواب دیا کہ کیا اس طرح تم احسان جتاتے ہو کہ مجھ کو تم نے کھانا کھلایا ہے۔ تم سوچو تو سہی کہ تمہارا کھانا کھلا کر مجھ پر احسان ہُوا یا میرا تم پر۔ کیا جب تم اندر کھانا لینے گئے تھے اگر اس وقت مَیں تمہارے مکان کو آگ لگا دیتا تو یہ تمام سامان جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتا۔ تو یہ تو میرا تم پر احسان ہے کہ مَیں نے تمہارے گھر کو آگ نہیں لگائی کسی کے مال کی حفاظت کرنا اور کوئی نقصان نہ پہنچانا ایک اچھا کام ہے۔ مگر اس مہمان نے جس طرح اس بات کو ادا کیا۔ کیا کوئی عقلمند اس کو پسند کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ کہ صاحب خانہ نے چونکہ اسے آرام پہنچایا تھا وہ بھی کوئی ایسا فعل نہ کرتا جس سے میزبان کو نقصان اٹھانا پڑتا۔ مگر اس کا اس بات کو بیان کرنا کچھ قابلِ تعریف نہ تھا۔ اور یہ کوئی خوبی کی بات نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اظہار بھی قابل شرم اور لائق نفرت بات تھی۔

غرض نیکی کے مقامات میں سے سب سے ادنیٰ مقام عدل کا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ [1] کہ انسان اس وقت تک مومن ہی نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کو اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ ہو جو اس کو اپنے نفس کے لئے پسند ہے۔ کیوں۔ اس لئے کہ اگر کسی شخص سے عدل میں فرق آتا ہے تو اس سے اس کے ایمان میں بھی فرق آ جاتا ہے کیونکہ عدل کرنے سے ہی انسان ایمان کے پہلے درجہ میں داخل ہوتا ہے باقی رہے مدارج سو وہ عدل سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور صرف عدل سے کوئی شخص اعلیٰ درجہ کا ایمان حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں نجات کے لئے صرف عدل کافی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آکر اسلام کے متعلق پوچھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اس نے کہا کیا ان کے سوا اور بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ لیکن اگر تُو زیادتی کرے یعنی نفل پڑھے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور رمضان کے روزے۔ اس نے کہا کیا ان کے سوا اور روزے بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر جو تو زیادہ رکھے۔ یعنی نفل کے طور پر۔ پھر آپ نے فرمایا۔ زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اس نے کہا کیا اس کے سوا اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں مگر جو تو زیادتی کرے۔ یعنی اپنے طور پر خیرات کرے۔ یہ سُن کر وہ شخص یہ کہتا ہُوا چلا گیا۔ کہ خُدا کی قسم مَیں نہ ان میں زیادتی کروں گا نہ کمی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا۔ یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ کہا [2]۔

جو شخص فرائض کو ادا کرتا ہے وہ صرف نجات کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ مگر قرب اور مدارج حاصل کرنے کے لئے اور طریق ہیں۔ رسُول اللہ صلعم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر ان باتوں میں اس نے کمی نہ کی تو یہ نجات پا گیا۔ یہ نہیں

[1]:۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب من خصال الایمان ان یحب لا خیہ ما یحب لنفسہٖ من الخیر۔

[2]:۔ بخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان۔

فرمایا کہ وہ اعلیٰ درجہ اور مقام بھی حاصل کر لے گا۔

غرض ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ ایمان کا عدل ہے۔ اور سب فرائض کو بغیر کسی کمی بیشی کے ادا کرنا نجات کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر اس میں کمی کرے یا اس میں نقص آ جائے تو ایمان میں نقص آ جائے گا۔ اس لئے ہر ایک مومن کو چاہئیے کہ اس بات کے لئے زور لگائے کہ اس درجہ سے ترقی کرے اور یہ نہ ہو کہ وہ اس درجہ سے گر جائے کیونکہ اس سے گرنا ایمان کا ضائع کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن ہی نہیں بن سکتا جس وقت تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اس کو اپنے نفس کے لئے پسند ہو۔ یعنی اگر یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ نیکی کریں تو اس پر بھی فرض ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ وہ بھی عدل و انصاف کرے۔

سو کوشش کرنا چاہئیے کہ کم از کم عدل پر تو انسان قائم ہو۔ قرآن شریف میں آتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [1]۔ خدا نے کوئی ایسی مشکل بات نہیں رکھی جو انسان کے نفس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوشش کرے تو عادل ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کوشش ہی نہیں کرتے۔ اور اس کا نام فطرت رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسی طرح کرنے پر مجبور ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ ایک بُری عادت کا نام فطرت رکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعلیٰ طاقت اور نیک فطرت دی ہے اور قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے۔ پس انسان کی فطرت کامل ہے۔ ہاں جو اس سے کام نہیں لیتا۔ یا اُلٹے رستہ پر ڈال کر خراب کر لیتا ہے اس کا اپنا قصور ہے۔

بہت سے لوگ سخت زبانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری فطرت ہی اس قسم کی واقع ہوئی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اور وہ اپنی عادت کو اگر درست کرنے کی کوشش کریں تو کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بات ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور سخت کلامی کی عادت انہوں نے خود پیدا کی ہوئی ہے۔ اور جو عادت خود پیدا کی ہو وہ دُور بھی کی جا سکتی ہے۔ خُدا نے تو انسان کو اعلیٰ درجہ کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ پس اگر لوگ خود اس کو مسخ کر لیتے ہیں تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ اپنی حالت کو درست بھی کر لیں۔

پس کم سے کم عدل کی طرف توجہ ہو۔ مَیں قادیان کے رہنے والوں کو بالخصوص نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بہت زیادہ عدل کی طرف متوجہ ہوں۔ بعض لوگوں کے میرے پاس خطوط آئے ہیں کہ قادیان کے بعض لوگ عدل سے کام نہیں لیتے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض باتیں غلط ہیں مگر بعض درست بھی ہیں۔ بعض تو اس قسم کی باتیں ہیں کہ مجبوراً کرنی پڑتی ہیں۔ مجھ کو لکھا گیا ہے کہ جلسہ کے موقعہ پر یہاں کے بعض لوگ خوش خلقی سے پیش نہیں آئے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی سے جو بات کہی جائے وہ

[1]: البقرہ: ۲۸۷۔

ٹھیک ہوتی ہے۔ لیکن اس کا لہجہ سخت یا درشت ہونے کی وجہ سے دوسرے کو رنجیدہ کر دیتا ہے لیکن اگر وہی بات نرمی کے ساتھ اور عمدگی سے کہی جائے۔ تو پھر شکایت نہیں پیدا ہوتی۔ مثلاً ایک شخص سوال کرتا ہے کہ فلاں چیز مجھے دے دو اور اس کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مَیں نہیں دوں گا۔ گو یہ جواب معاملہ کے لحاظ سے عدل ہو مگر اخلاق کا عدل اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کا جواب دیا جائے۔ کیونکہ یہی بات نرمی سے بھی کہی جاسکتی ہے۔ اور نرمی سے کلام کرنا کسی پر بار نہیں گذر سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے انسان کو بھی حکم ہُوا کہ فرعون کے ساتھ نرم نرم باتیں کرنا۔ فرعون وہ ہے کہ جو خدائی کا دعویدار ہے اور بڑا سرکش اور متکبر ہے۔ مگر اس کے ساتھ گفتگو کرنے کا طریق خُدا نے یہ بتلایا کہ نرم نرم باتیں کرنا تو وہی بات جو ایک انسان سختی سے کہنا چاہے نرمی سے بھی کہہ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مالی رنگ میں کسی ایسے شخص کو کچھ نہ دینا کہ جس کا حق نہ ہو۔ عدل کے خلاف نہیں۔ لیکن درشتی سے پیش آنا عدل کے بالکل خلاف ہے۔ قواعد چیز کے نہ دینے پر مجبور کرتے ہیں مگر ایسا جواب دینے پر مجبور نہیں کرتے جس سے رنجش پیدا ہو۔ پس اگر کوئی شخص تم سے کوئی سوال کرتا ہے اور تمہارے قواعد تم کو اجازت نہیں دیتے کہ اس کو پورا کرو تو اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ [1] کے ماتحت اس سے پیش آؤ۔ اور اس کو قول معروف کہہ دو اور ترش روئی سے جواب نہ دو۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ عدل ایک ادنیٰ درجہ ہے جو اس سے ہٹتا ہے وہ بُرائی کی طرف قدم مارتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی سے نرم بات نہیں کرتا۔ اور اپنی سختی کو فطرت کے سر تھوپتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم نے جھوٹ کہا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف سے تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خُدا نے انسان کو اعلیٰ اخلاق دیئے ہیں۔ آگے وہ خود اپنی عادات کو خراب کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس پر زور دیوے تو اس کو درست بھی کر سکتا ہے۔

پس جو شخص عادل نہیں وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب عدل میں نقص آیا۔ تو ایمان مِٹ گیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کی دل شکنی ہوگئی تو کیا ہوا۔ حالانکہ کسی سے اچھے اخلاق سے معاملہ کرنا عدل میں داخل ہے۔ اس لئے ہر ایک انسان کو چاہیئے کہ دوسرے کے ساتھ اس طریق سے پیش آئے جس طریق پر وہ خود چاہتا ہے کہ لوگ اس سے سلوک کریں۔

پس میں یہاں کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنیں۔ حضرت مسیح ناصری اس شخص پر بہت افسوس کرتے ہیں جو اپنی کسی حرکت سے دوسرے کے لئے ٹھوکر کا موجب بنے۔ لیکن بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ اجی کیا ہوا ہمارے ذریعہ کوئی گمراہ ہوا۔ قرآن شریف کے ذریعہ بھی تو گمراہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا [2]۔

[1]:۔ الضحیٰ:۱۱ [2]:۔ البقرہ:۲۷۔

مگر ان کو معلوم نہیں کہ جو لوگ قرآن شریف کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لئے قرآن شریف میں کوئی ایسی ٹھوکر نہیں ہے جس کے باعث وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی اپنی طبیعت کی تیرگی ان کے گمراہ ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ حضرت معاذؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر دوسروں کو جا کر نماز پڑھاتے۔ اور بہت لمبی سورتیں پڑھتے۔ ایک روز آپ نے سورۃ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نے نماز توڑ کر الگ پڑھ لی۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ منافق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر ہوا۔ آپ نے اس کو بلایا۔ اس نے عرض کیا۔ حضور وہ لمبی نماز پڑھتے ہیں۔ میں تھکا ماندہ تھا۔ مجھ سے ان کے ساتھ پڑھی نہیں جا سکتی۔ یہ سُن کر آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا آپ نے معاذ کو فرمایا کہ تو فتان یعنی تو فتنہ باز ہے [1]۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔ بظاہر بڑی سورتیں پڑھنا نیکی ہے۔ لیکن چونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ کو فتان کہا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نوافل میں بڑی سورتیں پڑھتے ہیں۔ اور اس نے اجتہاد میں غلطی کر کے فرائض میں بھی بڑی سورتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ ایک غلطی تھی۔ اور اس سے لوگوں کو ابتلا ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے روک دیا۔ اگرچہ فرائض میں بڑی سورتیں پڑھنا گناہ نہیں۔ مگر غلطی ضرور تھی۔ پھر یہ کوئی بداخلاقی نہیں بلکہ اجتہادی غلطی ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذؓ کو فتان قرار دیا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاں بداخلاقی ہو وہاں کیا کہنا چاہیئے۔ بداخلاقی کے مقابلہ میں تو یہ غلطی کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ بداخلاقی کے نتائج بہت بُرے ہیں۔ اور خوش اخلاقی میں کچھ نقصان نہیں۔ صرف اپنی زبان پر قابو کرنا ہے۔ پھر ایک شخص کہتا ہے کہ قادیان میں ہر ایک شخص اپنے تئیں مسیح موعود سمجھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قادیان میں رہنا برکت کا موجب ہے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر ایک شخص قادیان میں رہنے کی وجہ سے دوسروں پر خواہ مخواہ فخر کرے۔ پس اگر تم کسی سے گفتگو کرو تو یہ کہہ کر کہ مَیں قادیان میں رہنے والا ہوں اس کو جھڑ کو نہیں اور نہ اس طرح اس پر فضیلت جتلاؤ۔ بلکہ دلائل سے بات چیت کر سکتے ہو تو کرو۔ اور دلائل سے خاموش کرنا اور بات ہے۔ مَیں کہتا ہُوں قادیان کی رہائش اگر خوش خلقی نہیں سکھاتی تو پھر قادیان کی رہائش کوئی موجب فخر نہیں۔ فخر تو اس بات کا ہے کہ تم میں اور دوسروں میں ایک نمایاں فرق ہو۔ تمہارے اخلاق اطوار اعلیٰ ہوں۔ قادیان کی رہائش کو برکت والی ثابت کرو۔ اگر تم میں اکرامِ ضیف ہو۔ تو لوگ خود بخود تم پر لٹو ہو جائیں گے۔ اور تمہارے کہنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ لیکن اگر بے جا طور پر فخر کرو گے اور اپنے منہ سے بڑے بنو گے تو اس طرح دوسروں کے

---

[1]:۔ بخاری کتاب الاذان باب اذا طول الامام۔

لئے ابتلاء کا موجب ٹھہرو گے۔ پس اگر تم دشمن کے سامنے کسی بات پر فخر کرو تو کر سکتے ہو۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ اپنے بھائیوں پر فخر کرنے لگو۔ اگر تمہارے اندر خوش خلقی ہو گی تو لوگ خود تمہاری عزّت اور تکریم کرنے پر مجبُور رہوں گے۔ پس تم میں سے ہر ایک شخص اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے اندر ادنیٰ قِسم کا ایمان تو پیدا کر لے کہ دوسروں سے وہ سلوک کرے جس کی توقع دوسروں سے رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دوستوں کو توفیق دے کہ وہ کسی کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام جماعت خصوصًا قادیان کے لوگوں کو اپنے اعمال میں ترقی کی توفیق دے۔

(الفضل ۱۳؍ فروری ۱۹۱۷ء)